تفسیری اختلافات کی حقیقت ونوعیت

The reality and nature of interpretive differences

Dr. Mazhar Hussain
Assistant Profassor, Department of Islamic Studies, University of Narowal, Narowal: mazhar.hussain@uon.edu.pk
Dr. Hafiz Falak Sher Faizi
Assistant Professor Department of Islamic Studies Lahore Leads University:
hafizfalak.isl@leads.edu.pk

Abstract

The Holy Qur'an is the embodiment of guidance, and *Tafseer* is always a lighthouse for further understanding and clarity. One, therefore, cannot live without valuing *Tafseer-e-Qur'an*. There are various ways to do *Tafseer* and different scholars keeping in view their methodogical paradigm and eras, have done so in their particular ways and styles. This kind of variation resulted into contradictions in the views. Consequently, a common reader gets confused whenever he reads the variety in the *Tafseer*. He takes the whole thing full of f errors and contradictions. As the text is same, the contradictions in *Tafseer* evolve doubt and confusions that is to be setteled and handled. Thus, the present study is about the contradictions in *Tafseer*. It embodies the reality of the contradictions in *Tafseer*. This is an analytical study which is based on secondary sources; books, articles and online sources. *Tafsir* differences refer to the occurrence of multiple sayings and opinions of commentators in the same verse or word of the Holy Qur'an which are different from each other. There are two basic types of interpretive differences; One is diversity and the other is contradiction. Differences In the interpretation of a verse, there are many sayings or opinions that do not contradict each other, only the nature differs. Therefore, there is a possibility of adaptation between them.

Keywords: The Holy Qur'an, Tafseer, Contradictions, Confusion,Exigesis, Uloom Ul-Qur'an.

اختلاف ایک فطری عمل ہے۔ ہر انسان دوسرے انسان سے مختلف سوچ اور فکر کا حامل ہے جس کے نتیجے میں دنیا میں تنوع اور مختلف رنگ نظر آتے ہیں۔ اگر اختلاف ختم کر دیا جائے تو یہ مختلف رنگ بھی ختم ہو جائیں گے

اور دنیا کی زندگی کی رنگینی بھی ختم ہو جائے گی۔ اس لئے انسانوں میں اختلاف ایک فطری عمل ہے اور یہ قدرت کا تقاضا ہے۔ انسانوں میں یہ اختلاف، انسانی علوم میں بھی نظر آتا ہے۔ ایک ہی چیز کے بارے میں کئی نظریات پیش کئے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ سائنس میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ کئی نظریات پیش کئے گئے جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

علم کا یہ اختلاف اسلامی علوم میں بھی ہے۔ فقہ، تفسیر، سیرت، حدیث اور علم کلام وغیرہ میں اختلاف موجود ہے۔ خاص طور پر فقہی اختلافات بہت زیادہ مشہور ہیں، جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر میں بھی اختلافات پیدا ہوئے ہیں اور یہی اختلافات، تفسیری اختلافات کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انہی اختلافات کا اس بحث میں مطالعہ کیا جارہا ہے۔

تفسیری اختلافات ایک فطری چیز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید علوم کا ایک سمندر ہے۔ اس میں سے ہر مفسر اپنے غور وفکر اور صلاحیت کے مطابق حصہ وصول کرتا ہے جس کے نتیجے میں مفسرین کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتی ہیں اور تفسیر میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ عام آدمی جب ان اختلافات کو دیکھتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ شاید تفسیر میں تو بہت زیادہ اختلاف اور تعارض ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اگر قرآن مجید کی تفسیر میں اختلاف ہے تو اس سے ہدایت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ لوگ قرآن مجید کی تفسیر کو پڑھنا چھوڑ دیں۔ اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے اس بحث میں ان اختلافات کی حقیقت و نوعیت بیان کی جارہی ہے تاکہ ان اختلافات کو صحیح طور پر سمجھا جاسکے۔

اختلافات کا معنی و مفہوم:

"اختلافات" اختلاف کی جمع ہے۔ "اختلاف" باب افتعال سے مصدر ہے، اس کا مادہ "خ ل ف" ہے۔

عربی زبان میں اختلاف کا معنی یہ ہے:

1۔ تخالفا الامران و اختلفا: لم یتفقا، و کل ما لم یتسا فقد تخالف و اختلف۔[1]

"دو چیزوں میں اختلاف ہو تو وہ مختلف ہو جاتی ہیں یعنی دونوں میں اتفاق نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ بھی ایک جیسا نہ ہو تو اس نے مخالفت کی اور اختلاف پیدا ہوا۔"

---

[1] ابن منظور، لسان العرب، دار المعارف، قاہرہ، ج5، ص1240

Ibn Manẓūr, Lisān 'l -'Arab, Dār-al-Ma'rif, Egypt,vol 5,p1240

2۔ اختلف الشیئان: لم یتفقا۔[2]

"دو چیزوں میں اختلاف ہو یعنی وہ دونوں متفق نہ ہوئیں۔"

3۔ الاختلاف و المخالفة ان یاخذ کل واحد طریقا غیر طریق الآخر فی حاله او قوله.[3]

"اختلاف اور مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک اپنے حال اور قول میں دوسرے کے راستے سے علیحدہ راستے کا انتخاب کرے۔"

ان مختلف معانی سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اختلاف سے مراد کسی کے اقوال یا اس کی باتوں سے کوئی الگ راستہ اختیار کرنا ہے۔

تفسیر کا لغوی معنی:

تفسیر عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے یہ معانی ہیں:

1۔ التفسیر من الفسر، و الفسر البیان، و التفسیر مثله.[4]

"تفسیر، فسر سے ماخوذ ہے، فسر کے معنی بیان کے ہیں، اور تفسیر کے معنی بھی اسی طرح ہیں۔"

2۔ الفسر کشف المغطی.[5]

"فسر کے معنی ڈھانپی ہوئی چیز سے پردہ اٹھانے کے ہیں۔"

3۔ الفسر اظهار المعنی المعقول و التفسیر فی المبالغة کالفسر.[6]

---

[2] شوقی ضیف، المعجم الوسیط، مکتبۃ الشروق الدولیۃ، مصر، طبع چہارم، 2004ء، ص 251

Shawqī Daīf, Al-Mujam al-Wasīṭ, Maktaba alshuruq al Dawliyyah, Egypt, 4th edition,2004,p.251

[3] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق، محمد سید کیلانی، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ص 156

Rāghib Asfahānī, Al-Mufradāt Fī Gharīb ūl-Qur'ān, Taḥqīq, Muḥammad Sayed Kalanī, Dār-al-Ma'rifah Beirūt, Lebanon, p.156

[4] الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغة و صحاح العربیة، تحقیق، احمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملایین، طبع چہارم، 1995ء، ج 2، ص 781

Al-Jawharī,Ismāīl Bin Ḥammād, Al-Ṣiḥāḥ Tāj al-Lughāt wa Ṣiḥāḥ al Arabīyyah, Taḥqīq Aḥmad abdūl Ghafor Attār, Dār al-'Ilm lil mlayyīn, 4th edition 1995,vol 2,p 781

[5] لسان العرب، ج 5، ص 3412

Lisān 'l -'Arab, vol 5,p3412

[6] راغب اصفہانی، المفردات القرآن، ص 380

Rāghib Asfahānā, Al-Mufradāt Fī Gharīb ūl-Qur'ān,p 380

"فسر کے معنی کسی معقول کے اظہار کے ہیں اور تفسیر کے معنی مبالغے کے طور پر فسر کی طرح ہیں۔"

ان معانی سے پتہ چلتا ہے کہ تفسیر کا معنی؛ ظاہر کرنا، بیان کرنا، یا کسی مخفی چیز سے پردہ اٹھانا ہے۔

تفسیر کا اصطلاحی معنی:

تفسیر کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

"علم يبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث دلالته على مراد الله تعالى بقدر الطاقة البشرية."[7]

"تفسیر وہ علم ہے جس میں بشری طاقت کے مطابق قرآن کریم کے بارے میں اس حیثیت سے بحث کی جاتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرتا ہے۔"

اس تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی طاقت وصلاحیت کے مطابق قرآن کریم کی آیات سے اللہ کی مراد معلوم کرنے کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ اس میں قرآنی آیات کے معانی بیان کئے جاتے ہیں، احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جاتا ہے۔

تفسیری اختلافات کا مفہوم:

قرآن مجید کے کسی ایک لفظ یا آیت کے معنی و تفسیر میں مفسرین مختلف اقوال ذکر کرتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسے تفسیری اختلافات کہا جاتا ہے۔ ایک ہی آیت کی تفسیر میں کئی اقوال و آراء سامنے آتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک ہی آیت کی تفسیر میں مختلف طریقے اور انداز نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات ان اختلافات کے درمیان تطبیق ممکن ہوتی ہے، اس وقت یہ اختلاف، نوعیت کا اختلاف ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات ان کے درمیان تطبیق ممکن نہیں ہوتی تو اس وقت یہ اختلاف، تضاد کا اختلاف ہوتا ہے۔

مثالیں:

اس کی وضاحت درج ذیل مثالوں سے کی جاتی ہے۔

---

[7] زرقانی، محمد عبد العظیم، مناهل العرفان فی علوم القرآن، تحقیق، فواز احمد، دار الکتب العربی، بیروت، طبع اول، 1995ء، ج2، ص6

Zarqānī, Muḥammad abdul Azīm, Mināḥil Al-Arfān Fī Ūloom ūl-Qur'ān, Taḥqīq, Fwāz Aḥmad, Dār al-Kutub al-'Arabī, Bayrūt, 1st edition 1995,vol 2,p 6

1۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ"[8]

"اے بنی اسرائیل! ہمارے وہ احسانات یاد کرو جو ہم تم پر کر چکے ہیں۔"

اس آیت میں "بنی اسرائیل پر ہونے والی نعمت یعنی احسان" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ نے ان کے لئے پتھر سے چشمہ جاری کر دیا، ان پر من و سلویٰ نازل کیا، اور انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دی۔ جبکہ ابو عالیہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اللہ کا ان پر احسان یہ تھا کہ ان میں انبیاء ورسل بھیجے، اور ان پر کتابیں نازل کیں۔[9] یہ دو مختلف اقوال ہیں۔ اس طرح ایک ہی آیت کی تفسیر میں دو مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ لہذا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

2۔ سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ"[10]

"ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔"

اس آیت میں **"الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ"** کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ملتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "صراط مستقیم" سے مراد "اسلام" ہے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے صاحبین ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد "کتاب اللہ" ہے۔[11] یہ تین اقوال ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس طرح سے ایک ہی آیت کی تفسیر میں تین مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں۔ لہذا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

---

[8] البقرۃ،2:47

Al- Qur'ān,2:47

[9] ابن کثیر، عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق، مصطفی السید محمد، مؤسسہ قرطبہ، قاہرہ، طبع اول، 2000ء، ج1، ص374

Ibn Kathīr,' Umar bin Kathīr, Tafsīr al-Qur'ān al-Azīm, Taḥqīq, Muṣṭafā al-Sayyed Muḥammad, Cordoba Institute, Cairo, first edition, 2000 AD, vol.1, p.374

[10] الفاتحہ،1:6

Al- Qur'ān,1:6

[11] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج1، ص219-221

Ibn Kathīr, Tafsīr al-Qur'ān al-Azīm, Vol,1,p 219-221

3۔ سورۃ القیامہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ . إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ"[12]

"کچھ چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے، اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔"

اس آیت کی تفسیر میں جمہور اہل سنت کا موقف ہے کہ قیامت کے دن مومنین اپنے رب کو دیکھیں گے۔ لیکن معتزلہ کا یہ موقف ہے کہ اس آیت میں "نظر" سے مراد یہ ہے کہ مومنین اللہ کے ثواب کا انتظار کریں گے۔[13]

اس طرح سے اس آیت کی تفسیر میں دو آراء سامنے آتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہذا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے اور اسی کو تفسیری اختلاف کہتے ہیں۔

تفسیری اختلافات کی حقیقت و نوعیت:

تفسیری اختلافات عام طور پر نوعیت کے اختلافات ہیں۔ ان میں تعارض اور تضاد بہت کم پایا جاتا ہے۔ لیکن جب عام قاری ان تفسیری اختلافات کو دیکھتا ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ان میں تعارض اور تناقض پایا جاتا ہے۔ اگر ان کو غور سے دیکھا جائے تو ان کے درمیان تعارض اور تضاد بہت کم ہوتا ہے بلکہ ان کے درمیان تطبیق کا امکان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر میں پائے جانے والے زیادہ تر اختلافات نوعیت کے اختلافات ہیں جن کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ جبکہ تضاد کے اختلافات بہت ہی کم ہیں جن کے درمیان تطبیق ممکن نہ ہو۔

تفسیری اختلافات مجموعی طور پر دو طرح کے ہیں، دراصل ان کی یہی دو اقسام ہیں۔

1. اختلاف تنوع / اختلاف نوعیت
2. اختلاف تضاد / اختلاف تعارض

---

[12] القیامہ، 75:22، 23

Al- Qur'ān,75:22-23

[13] رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، دار الفکر، طبع اول، 1981ء، ج30، ص227، 226

Al-Rāzī, Fakhr-ud-Dīn, Mafātīḥ-al-Ghayb, Dār al-Fikr, Beirūt, 1st edition, 1981.ad, vol.30, p.226-227

اختلاف تنوع / اختلاف نوعیت

اختلاف تنوع یہ ہے کہ ایک آیت کی تفسیر میں کئی اقوال یا آراء پائی جاتی ہیں جن میں تنوع ہوتا ہے، یعنی ان کی نوعیت میں فرق پایا جاتا ہے۔ ان کے درمیان کوئی تضاد یا تعارض نہیں ہوتا۔ اسی لئے ان کے درمیان تطبیق کا امکان بھی پایا جاتا ہے۔

اختلاف تنوع کی اقسام:

اختلاف تنوع کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1. ایک ہی معنی کی عبارتوں میں اختلاف
2. معنی میں اختلاف

اختلاف تنوع کی پہلی قسم: ایک ہی معنی کی عبارتوں میں اختلاف

اختلاف تنوع کی پہلی قسم میں ایک ہی آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں جن کا معنی ایک ہی ہوتا ہے لیکن عبارتیں مختلف ہوتی ہیں، یعنی صرف عبارت کا فرق ہوتا ہے۔[14]

اس قسم کی وضاحت درج ذیل نکات میں بیان کی جاتی ہے۔

1۔ اس قسم میں معنی ایک ہی ہوتا ہے لیکن عبارتیں مختلف ہوتی ہیں۔ مفسرین ایک ہی معنی کی تعبیر میں مختلف عبارتیں ذکر کرتے ہیں۔ دراصل مطلوبہ معنی کئی اوصاف اور پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے جن کی تعبیر میں مفسرین کی عبارتیں مختلف ہو جاتی ہیں لیکن یہ سبھی تعبیرات مطلوبہ معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کی مثال سورۃ الفاتحہ کی یہ آیت ہے۔

"اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ"[15]

"ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔"

---

[14] محمد صالح محمد سلیمان، اختلاف السلف بین التنظیر والتطبیق، دار ابن الجوزی، طبع اول، 1430ھ، ص125

Muḥammad Saleḥ, Muḥammad Sulemān,Ikhtilāf-al-Salaf bain ul Tanzīr wa Tatbīq, Dār e Ibn Jawzī, , 1st edition,1430 H,p125

[15] الفاتحہ، 6:1

Al- Qur'ān,1:6

اس آیت میں "الصراط المستقیم" کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ملتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "صراط مستقیم" سے مراد "اسلام" ہے۔ ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد "اللہ کا دین" ہے۔ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبین" ہیں۔[16]

ان سب اقوال میں عبارتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن یہ سب ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسلام، اللہ کا دین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سب "صراط مستقیم" یعنی سیدھا راستہ ہیں۔ عام قاری جب ان مختلف اقوال کو دیکھتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ شاید ان کے درمیان تضاد ہے حالانکہ ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ یہ سب ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں، صرف تعبیرات کا فرق ہے۔

2۔ بعض اوقات ایک ہی آیت کی تفسیر میں مفسرین کئی اقوال ذکر کرتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سب اقوال ایک ہی معنی کو بیان کر رہے ہوتے ہیں لیکن اس معنی کی تفسیر میں الفاظ مختلف استعمال کئے جاتے ہیں، جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور سب ہی مطلوبہ معنی کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس کی مثال سورۃ البقرۃ کی یہ آیت ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ"[17]

"اے لوگو! جو زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں، انہیں کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

اس آیت میں "**خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ**" کی تفسیر میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد "شیطان کا عمل" ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد "شیطان کی غلطیاں" ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب "شیطان کی اطاعت" ہے۔ اور ابو مجلز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے

---

[16] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج1، ص219-221

Ibn Kathīr, Tafsīr al-Qur'ān al-Azīm, Vol,1,p 219-221

[17] البقرۃ، 168:2

Al- Qur'ān,2:168

کہ اس سے مراد "گناہوں کی نذر ماننا" ہے۔[18] ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ سب اقوال ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ سب اقوال معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک قائل کا قول اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شیطان کی اس کے آثار و اعمال میں پیروی نہ کی جائے۔[19] اس طرح سے ایک ہی آیت کی تفسیر میں تین مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں جو ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں لیکن ان کے لئے مختلف الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جو ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ لہذا اس مثال میں صرف نوعیت کا فرق ہے، اس میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے۔

اختلاف تنوع کی دوسری قسم: معنی میں اختلاف

اختلاف تنوع کی دوسری قسم میں ایک ہی آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ ان کے معانی مختلف ہوتے ہیں لیکن یہ ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے اور نہ ہی ان میں تعارض اور تناقض نہیں پایا جاتا۔[20]

اس کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے کہ بعض اوقات ایک لفظ دو مختلف امور کا محتمل ہوتا ہے جیسا کہ مشترک لفظ میں ہوتا ہے۔ ایک مفسر اس کے ایک معنی کے اعتبار سے تفسیر کرتا ہے اور دوسرا مفسر اس کے دوسرے معنی کے اعتبار سے تفسیر کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں دونوں کی تفسیر میں اختلاف ہو جاتا ہے لیکن ان میں تضاد نہیں ہوتا۔

اختلاف تنوع کی پہلی قسم میں صرف ایک ہی معنی بیان ہوتا ہے جبکہ دوسری قسم میں ایک سے زیادہ مختلف معانی بیان ہوتے ہیں لیکن ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوتا۔ اس کی پہلی مثال سورۃ المدثر کی یہ آیت ہے:

---

[18] طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، تحقیق، ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی، دار ہجر، قاہرہ، طبع اول، 2001ء، ج3، ص39،38

Al-Ṭabarī, Abū Ja'far Muḥammad bin Jarīr, Jami' al-Bayān an T'awīl āya al-Qur'ān, Taḥqīq, Dr. Abdullah bin Abdul Muḥsin al-Turkey, Dar al-Ḥijr, Cairo, first edition, 2001.Ad, vol 3,p.38-39

[19] طبری، تفسیر طبری، ج3، ص39

Ṭabarī, Tafsīr Ṭabar,vol 3,p 39

[20] محمد صالح محمد سلیمان، اختلاف السلف بین التنظیر والتطبیق، ص125

Muḥammad Saleḥ, Muḥammad Sulemān,Ikhtilāf-al-Salaf bain ul Tanzīr wa Tatbīq,p125

"كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ . فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ"[21]

"گویا یہ بدکے ہوئے گدھے ہیں، جو شیر سے (ڈر کر) بھاگے جارہے ہیں۔"

اس آیت میں **"قَسْوَرَةٍ"** کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد "شیر" ہے جبکہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد "تیر چلانے والے" ہیں۔[22]

دراصل یہ دونوں اقوال اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ لفظ "قسورۃ" مشترک ہے۔ اس کے دونوں معانی "شیر" اور "تیر چلانے والا" لغت میں موجود ہیں۔ لہذا مفسرین نے دونوں معانی کے مطابق تفسیر کی ہے۔ یہ دونوں معانی صحیح ہیں اور ان میں نوعیت کا اختلاف ہے کیونکہ تفسیر میں ان دونوں معانی میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے۔ لہذا یہ دونوں تفاسیر صحیح ہیں۔ اس قسم کے اختلاف کو "اختلاف تنوع" کا نام دیا جاتا ہے۔

اس کی دوسری مثال سورۃ البقرۃ کی یہ آیت ہے:

"رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ "[23]

"اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری نسل سے ایک جماعت (پیدا کر) جو تیری فرمانبردار ہو۔ اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو، توبہ قبول کرنے والا، (اور) رحم فرمانے والا ہے۔"

اس آیت میں **"مَنَاسِكَنَا"** کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد "ذبح کرنے کی جگہیں" ہیں۔ اس قول کے مطابق یہ لفظ اسم مکاں ہے۔ الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد "حج کے اعمال یعنی طریقے" ہیں۔ اس قول کے مطابق یہ لفظ مصدر ہے۔[24]

---

[21] المدثر، 74:50، 51

Al- Qur'ān,74:50-51

[22] ابن جوزی، ابو الفرج، عبد الرحمن بن علی، زاد المسیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم، 1984ء، ج8، ص412، 413

Ibn Jawzī, Abū al farj,abdul Raḥmān bin Alī, Zād al-Masīr fī Ilm-e-Tafsīr, Al Maktab al Islāmi,Bayrūt,3rd edition,1984,vol 8,p 412-413

[23] البقرۃ، 2:128

Al- Qur'ān,2:128

[24] ابو حیان، محمد بن یوسف، البحر المحیط، تحقیق، عادل احمد عبد الموجود، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، 1993ء، ج1، ص560

اس طرح ایک ہی لفظ کی تفسیر میں دو مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظ "مناسک" دونوں معانی کے لئے مشترک ہے۔ یہ اسم مکاں بھی ہو سکتا ہے اور مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے دونوں امکانات موجود ہیں۔ مفسرین نے اس کی تفسیر اپنے اپنے طریقے کے مطابق کی ہے جس کے نتیجے میں دو مختلف معانی سامنے آتے ہیں، تفسیر میں ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔ لہذا دونوں تفاسیر صحیح ہیں۔ اس اختلاف کو نوعیت کا اختلاف کہا جاتا ہے۔

اختلاف تنوع میں قبولیت اور ترجیح:

اختلاف تنوع میں مختلف آراء و اقوال پائے جاتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مختلف اقوال و آراء کو قبول کیا جائے یا ان میں ترجیح دی جائے؟ اس اعتبار سے اختلاف تنوع کی تین ممکنہ صورتیں سامنے آتی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

1. اختلاف تنوع میں قبولیت اور ترجیح کے اعتبار سے پہلی صورت یہ ہے کہ تفسیری اختلاف میں وارد ہونے والے سب اقوال کو قبول کیا جائے اور ان کے درمیان ترجیح نہ کی جائے۔ چونکہ یہ سب ایک ہی معنی کو ادا کرتے ہیں یا ان سب کے ملنے سے معنی کی تکمیل ہوتی ہے لہذا یہ سب اقوال مقبول ہیں۔ اس کی مثال "صراط مستقیم" کی تفسیر میں وارد ہونے والے مختلف اقوال ہیں، جو سب مقبول ہیں۔
2. اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ تفسیری اختلاف میں وارد ہونے والے سب اقوال کو قبول کیا جائے لیکن بعض کو بعض پر ترجیح دی جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن اقوال پر ترجیح دی جارہی ہے، وہ غلط یا متروک ہیں بلکہ وہ اقوال بھی صحیح ہوتے ہیں۔
3. اس کی تیسری ممکنہ صورت یہ بنتی ہے کہ تفسیری اختلاف میں وارد ہونے والے اقوال کے درمیان ترجیح دی جائے اور یہ ترجیح صحیح اور رد کی بنیاد پر ہو، یعنی بعض کو قبول کیا جائے اور بعض کو رد کیا جائے۔ اس قسم

Abū Hayyān, Muḥammad bin Yoūsaf,Al Bahr al Muhīt, Taḥqīq, Ādil Aḥmad abdul Mawjūd, Dār al-Kutub al-'Ilm*iyyah*, Bayrūt, 1st edition 1993,vol 1,p 560

کا اختلاف، اختلاف تنوع میں نہیں ہوتا۔[25] اس کا مطلب یہ ہے کہ تیسری صورت عملی طور پر نہیں پائی جاتی۔

اختلاف تنوع میں اقوال کو اس بنیاد پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ غلط ہیں بلکہ وہ صحیح ہوتے ہیں لیکن ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اختلاف تضاد:

تفسیری اختلاف کی دوسری قسم "اختلاف تضاد" ہے۔ اس میں ایک آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال وارد ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک قول کو قبول کیا جائے تو دوسرا رد ہو جاتا ہے۔[26] اختلاف تضاد میں مختلف اقوال کے درمیان تضاد یا تعارض پایا جاتا ہے۔

وضاحت:

اختلاف تضاد کی وضاحت درج ذیل نکات میں کی جاتی ہے۔

1۔ اختلاف تضاد میں بعض اوقات ایک لفظ کی دلالت کی وجہ سے تضاد واقع ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ دو متضاد معانی میں مشترک ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی قبول کرنے سے دوسرا معنی رد ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ البقرۃ کی یہ آیت ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾[27]

"اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ اپنے آپ کو تین حیض تک (نکاح ثانی) سے روکے رکھیں۔"

---

[25] محمد صالح محمد سلیمان، اختلاف السلف بین التنظیر والتطبیق، ص144، 145

Muḥammad Saleḥ, Muḥammad Sulemān,Ikhtilāf-al-Salaf bain ul Tanzīr wa Tatbīq,p144-145

[26] ایضا، ص146

Ibid,p146

[27] البقرۃ، 228:2

Al- Qur'ān,2:228

اس آیت میں لفظ "قرء" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد "طہر" ہے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد "حیض" ہے۔[28]

یہاں پر دو آراء بیان ہوئی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف، تضاد کا اختلاف ہے کیونکہ لفظ "قرء" دو معانی میں مشترک ہے۔ یہ دونوں معانی متضاد ہیں، ان کے درمیان تعارض ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک معنی کو قبول کیا جائے تو دوسرا معنی رد ہو جاتا ہے۔

2۔ تفسیر میں بعض اوقات "متضاد لفظ" کے علاوہ دوسری وجوہات کی بناء پر اختلاف تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلا ایک آیت کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان اختلاف واقع ہو جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کلام کی ترتیب دو متضاد معانی پر محتمل ہوتی ہے یا پھر ضمیر ایک سے زیادہ معانی یا ذات کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس کی پہلی مثال سورۃ البقرۃ کی یہ آیت ہے:

"حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ"[29]

"اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو اور (خصوصا) بیچ والی نماز کی۔"

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان "**الصَّلَاةِ الْوُسْطَى**" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حسن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد "نماز عصر" ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد "نماز ظہر" ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ، عطاء رحمۃ اللہ علیہ ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد "نماز فجر" ہے۔ قبیصہ بن زوَیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد "نماز مغرب" ہے۔[30]

---

[28] طبری، تفسیر طبری، ج4، ص87-100

Ṭabarī, Tafsīr Ṭabar,vol 4,p 87-100

[29] البقرۃ،238:2

Al- Qur'ān,2:228

[30] طبری، تفسیر طبری، ج4، ص342-372

Ṭabarī, Tafsīr Ṭabar,vol 4,p 342-372

اس طرح "**الصَّلَاةِ الْوُسْطَى**" کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں جن میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک قول کو قبول کرنے سے دوسرا قول رد ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ اختلاف، تضاد کا اختلاف ہے۔

اس کی دوسری مثال سورۃ الانفال کی یہ آیت ہے:

"يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ"[31]

"(اور) وہ حق بات (کے بارے) میں تم سے جھگڑ رہے تھے۔ حالانکہ (معاملہ) واضح ہو چکا تھا۔ (ان کا حال یہ تھا کہ) گویا انہیں (زبردستی) موت کی طرف ہانکا جارہا ہے اور وہ اپنی موت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

اس آیت میں مجادلہ (جھگڑا) کرنے والوں کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد "مومنین اصحاب بدر" ہیں جبکہ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے مراد "مشرکین" ہیں۔[32]

یہ دو مختلف اقوال ہیں جن کے درمیان تضاد ہے۔ ان میں سے ایک قول کو قبول کرنے سے دوسرا قول رد ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ اختلاف، تضاد کا اختلاف ہے۔

اس کی تیسری مثال سورۂ مریم کی یہ آیت ہے:

"فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا"[33]

"چنانچہ (ایک فرشتے نے) نیچے سے اسے پکارا: تو غمگین نہ ہو، تیرے رب نے تیرے لئے ایک بڑی ہستی پیدا کر دی ہے۔"

---

[31] الانفال، 8:6

Al- Qur'ān,6:8

[32] طبری، تفسیر طبری، ج11، ص37، 38

Ṭabarī, Tafsīr Ṭabar,vol 11,p 37-38

[33] مریم، 24:19

Al- Qur'ān,19:24

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ یہ پکارنے والا کون تھا؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ، عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ "حضرت جبرائیل علیہ السلام " تھے جبکہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ، حسن رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام " تھے۔[34]

یہ دو مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں جن کے درمیان تضاد ہے، ان میں سے ایک وقت میں کسی ایک قول کو ہی قبول کر سکتے ہیں کیونکہ ایک کو قبول کرنے سے دوسرا رد ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ اختلاف، تضاد کا اختلاف ہے۔

اختلاف تضاد کا معنی پر اثر:

1. بعض اوقات اختلاف تضاد کا آیت کے معنی اور مفہوم پر کوئی اثر واقع نہیں ہوتا کیونکہ یہ اختلاف آیت کے معنی ومفہوم سے زائد چیز میں ہوتا ہے۔ اس کی مثال مذکورہ بالا مثال میں حضرت مریمؑ کو پکارنے والے کی ہے کہ وہ فرشتہ تھا یا حضرت عیسیٰؑ تھے۔ اس اختلاف سے اس آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔
2. بعض اوقات اختلاف تضاد کا آیت کے معنی میں اثر ہوتا ہے۔ اس کی مثال لفظ "قرء" کی تفسیر میں مذکور اختلاف ہے کہ اس سے مراد "طہر" ہے یا کہ "حیض"۔

تفسیری اختلافات کی مختلف صورتیں:

تفسیری اختلافات کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہم ان کی چند صورتیں بیان کرتے ہیں جن سے تفسیری اختلافات کو سمجھنے میں مزید مدد ملے گی۔

پہلی صورت: قرآت میں اختلاف

قرآن مجید کی قراءت سے مراد، قرآن مجید کے الفاظ کو لکھنے اور پڑھنے کا طریقہ ہے۔ بعض اوقات ایک آیت کی ایک سے زیادہ قرآت ہوتی ہیں۔ بعض مفسرین ان میں سے ایک قراءت کے مطابق تفسیر کرتے ہیں اور

---

[34] طبری، تفسیری طبری، ج15، ص501-504

Ṭabarī, Tafsīr Ṭabar,vol 15,p 501-504

بعض، دوسری قراءت کے مطابق تفسیر کرتے ہیں جس کے نتیجے میں تفسیر میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس پہلی مثال سورۃ الحجر کی یہ آیات ہیں:

"وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۔ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ"[35]

"اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں اور یہ دن دہاڑے اس (آسمان) پر چڑھ جائیں، تو بھی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو ہوا ہے۔"

اس آیت میں **"سُكِّرَتْ"** کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد "بند ہو گئیں" ہے جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد "وہ پکڑی گئیں اور ان پر جادو ہو گیا" ہے۔ اس اختلاف کے بارے میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس نے قراءت "سکّرت" (تشدید کے ساتھ) کی، اس نے معنی "بند کر دی گئیں" مراد لیا ہے اور جس نے قراءت "سکرت" (تخفیف کے ساتھ) کی، اس نے "ان پر جادو کر دیا گیا" مراد لیا ہے۔[36]

حقیقت یہ ہے کہ "سکرت" کی دو مختلف قرآت ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں معانی ان دونوں قرآت کے مطابق ہیں۔ لہذا قرآت میں اختلاف کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ در حقیقت یہ دونوں تفاسیر درست ہیں کیونکہ دونوں قرآت درست ہیں اور ان قرآت کے مطابق ہی تفسیر ہے۔ یہ اختلاف فطری ہے، اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں بلکہ یہ اللہ کی منشاء کے مطابق ہے۔

دوسری صورت: اعراب میں اختلاف

قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں اعراب بیان کرنے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جس کی وجہ ان کے درمیان متعلقہ آیات کے اعراب میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس آیت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال سورۂ آل عمران کی یہ آیت ہے:

---

[35] الحجر، 15:14، 15

Al- Qur'ān,15:14,15

[36] طبری، تفسیر طبری، ج14، ص26-28

Ṭabarī, Tafsīr Ṭabar,vol 14,p 26-28

"وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ"[37]

"حالانکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، مگر جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان پر ہمارا ایمان ہے۔"

اس آیت میں **"الرَّاسِخُونَ"** کے اعراب میں اختلاف ہے۔ پہلی رائے یہ ہے کہ **"الرَّاسِخُونَ"** مبتداء ہے اور **"يَقُولُونَ"** اس کی خبر ہے۔ اس اعراب کے مطابق آیت کا معنی یہ ہے کہ **"متشابہات"** کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ **"الرَّاسِخُونَ"** لفظ **"اللَّهُ"** پر معطوف ہے۔ اس کے مطابق آیت کا معنی یہ ہے کہ "راسخون" بھی **"متشابہات"** کا مطلب جانتے ہیں۔[38]

پہلی رائے میں **"متشابہات"** کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، **"راسخون"** کے پاس نہیں ہے۔ دوسری رائے میں **"متشابہات"** کا علم اللہ کے علاوہ **"راسخون"** کے پاس بھی ہے۔ لہذا اس آیت میں اعراب کے اختلاف کی وجہ سے تفسیر میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ یہ دونوں تفاسیر درست ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی رائے غلط نہیں ہے کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں، اعراب کے اختلاف کی گنجائش موجود ہے جس کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

تیسری صورت: مشترک لفظ کے معنی میں اختلاف

مشترک لفظ سے مراد وہ لفظ ہے جو ایک سے زیادہ معانی پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً لفظ **"العین"** آنکھ اور پانی کا چشمہ، دونوں معانی پر دلالت کرتا ہے، اس لئے یہ دونوں معانی میں مشترک ہے۔ قرآن مجید میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں جو مختلف معانی پر دلالت کرتے ہیں، انہیں "مشترک الفاظ" کہا جاتا ہے۔ مفسرین جب ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہیں تو ایک مفسر، ان کے ایک معنی کے اعتبار سے تفسیر کرتا ہے جبکہ دوسرا مفسر، دوسرے معنی کے اعتبار سے تفسیر کرتا ہے۔ اس طرح سے ایک ہی لفظ میں کئی تفاسیر سامنے آتی ہیں جس کی وجہ سے تفسیر میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ یہ ایک مثبت چیز ہے کہ ایک ہی آیت سے کئی معانی حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی مثال سورۃ الرحمٰن کی یہ آیت ہے:

---

[37] آل عمران، 7:3

Al- Qur'ān,3:7

[38] ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، ج2، ص400

Abū Hayyān, Tafsīr Al Bahr al Muhīt,vol 2,p 400

"وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ"[39]

"اور ستارے اور درخت سر بسجود ہیں۔"

اس آیت میں لفظ **"النَّجْمُ"** کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ نبات ہے جس کا تنا نہیں ہوتا، یعنی بیلیں اور جڑی بوٹیاں وغیرہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آسمان کے ستارے ہیں۔[40]

دراصل **"النجم"** مشترک لفظ ہے۔ عربی زبان میں اس لفظ کے مذکورہ بالا دونوں معانی موجود ہیں اور یہ لفظ ان دونوں معانی میں مشترک ہے۔ درحقیقت یہ دونوں معانی درست ہیں ان میں سے کوئی بھی غلط نہیں ہے۔

اس کی دوسری مثال سورۃ المدثر کی یہ آیات ہیں:

"كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ۔ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ"[41]

"گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے ڈر کر بھاگے جارہے ہیں۔"

اس آیت میں لفظ **"قَسْوَرَةٍ"** کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد "شیر" ہے جبکہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد "تیر چلانے والے" ہیں۔[42]

دراصل لفظ **"قَسْوَرَةٍ"** مشترک ہے۔ یہ لفظ دونوں معانی "شیر" اور "تیر چلانے والے" پر دلالت کرتا ہے۔ پس ایک مفسر نے ایک معنی کے اعتبار سے تفسیر بیان کی ہے اور دوسرے مفسر نے دوسرے معنی کے اعتبار سے تفسیر بیان کی ہے جس کی وجہ ان کی تفاسیر میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ حقیقت میں یہ دونوں معانی درست ہیں۔

چوتھی صورت: آیات کے اجمال میں اختلاف

آیات میں اجمال کا مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ معانی و مفاہیم کا احتمال ہو۔ قرآن مجید میں بعض الفاظ مجمل ہوتے ہیں، اسی طرح سے بعض جمل اور تراکیب میں بھی اجمال ہوتا ہے جو ایک سے زیادہ معانی پر محتمل ہوتے

---

[39] الرحمٰن، 6:55

Al- Qur'ān,55:6

[40] ابن جوزی، زاد المسیر، ج8، ص107

Ibn Jawzī ,Zād al-Masīr,vol 8,p 107

[41] المدثر، 50:74، 51

Al- Qur'ān,74:50-51

[42] ابن جوزی، زاد المسیر، ج8، ص412، 413

Ibn Jawzī ,Zād al-Masīr,vol 8,p 412-413

ہیں۔ ان زیادہ احتمالات کی وجہ سے مفسرین کے درمیان اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک مفسر ایک احتمال کے مطابق تفسیر کرتا ہے تو دوسرا مفسر دوسرے احتمال کے مطابق تفسیر کرتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ القصص کی یہ آیت ہے:

"إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَاد"[43]

"پس (اے پیغمبر!) جس (اللہ) نے یہ قرآن تم پر فرض کیا ہے، وہ ضرور تم کو پھیر لے جائے گا پہلی جگہ۔"

اس آیت میں **"مَعَـاد"** (لوٹنے کی جگہ) کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ اس کے بارے میں چار اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو مکہ کی طرف لے جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جنت کی طرف لے جائے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ موت کی طرف لے جائے گا اور چوتھا قول یہ ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے قیامت کی طرف لے جائے گا۔[44]

دراصل لفظ "معاد" مجمل ہے، اس کے کئی معانی ہیں۔ مختلف مفسرین نے اس لفظ کے مختلف احتمالات کے مطابق تفسیر کی ہے جس کی وجہ سے مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

پانچویں صورت: حقیقت اور مجاز کے احتمال میں اختلاف

حقیقت سے مراد یہ ہے کہ کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہو، یعنی وہ لفظ ایسے معنی میں استعمال ہو جس کے لئے اسے وضع کیا گیا ہے۔ مجاز سے مراد یہ ہے کہ کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں استعمال ہو، یعنی وہ لفظ ایسے معنی میں استعمال ہو جس کے لئے اسے وضع نہ کیا گیا ہو، ہاں البتہ اس کے اس مجازی معنی پر کوئی دلیل موجود ہو۔

حقیقت اور مجاز کے احتمال میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض مفسرین قرآنی الفاظ کی تفسیر ان کی حقیقت کے مطابق کرتے ہیں اور بعض مفسرین الفاظ کی تفسیر ان کے مجازی معنی کے مطابق کرتے ہیں جس کی وجہ سے تفسیر میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس کی پہلی مثال سورۃ المسد کی یہ آیت ہے:

---

[43] القصص، 85:28

Al- Qur'ān,28:85

[44] ابن جوزی، زاد المسیر، ج6، ص250، 251

Ibn Jawzī ,Zād al-Masīr,vol 6,p250-251

"وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ"[45]

"اور اس کی جورو، لگائی بجھائی کرنے والی"

یہ آیت ابو لہب کی بیوی کے بارے میں ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ پہلے قول کے مطابق آیت سے مراد یہ ہے کہ وہ عورت چغلی کیا کرتی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس عورت کے گناہ ہیں۔ تیسرے قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عورت کانٹے اکٹھے کرتی اور رات کو رسول اکرم ﷺ کے راستے میں پھینک دیتی تھی۔[46]

ان اقوال میں سے پہلے دو اقوال میں مجازی معنی ہے جبکہ تیسرے قول میں حقیقی معنی پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر حقیقی معنی کے مطابق کی ہے جبکہ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر مجازی معنی کے مطابق کی ہے جس کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

چھٹی صورت: محذوف کے مختلف معانی پر احتمال میں اختلاف

قرآن مجید کی تفسیر میں عام طور پر مفہوم ظاہر ہوتا ہے لیکن بعض اوقات کلام میں حذف ہوتا ہے۔ یہ محذوف ایک سے زیادہ معانی پر محتمل ہوتا ہے۔ مفسرین اس محذوف کے مختلف محتمل معانی کے مطابق تفسیر کرتے ہیں جس کی وجہ سے تفسیر میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ النجم کی یہ آیات ہیں:

"ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى - فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى"[47]

"پھر وہ نزدیک ہوا اور جھک گیا۔ پس وہ دو کمانوں کے برابر یا (اس سے بھی) کم فاصلہ رہ گیا۔"

ان آیات میں فاعل محذوف ہے جس کی وجہ سے اس بات میں اختلاف ہے کہ ضمیر کس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد "حضرت جبرائیل علیہ السلام" ہیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے قریب ہوئے۔ یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[48]

---

[45] المسد، 4:111

Al- Qur'ān,111:4

[46] ابن جوزی، زاد المسیر، ج9، ص260، 261

Ibn Jawzī ,Zād al-Masīr,vol 9,p260-261

[47] النجم، 53:8، 9

Al- Qur'ān,53:8-9

[48] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج13، ص254

Ibn Kathīr, Tafsīr al-Qur'ān al-Azīm, Vol 13,p 254

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد "رب" ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے قریب ہوا۔ یہ قول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[49] محذوف کے احتمال کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں دو مختلف اقوال سامنے آتے ہیں۔ اس آیت میں حذف ان دونوں اقوال پر دلالت کرتا ہے۔

ساتویں صورت: اسباب نزول میں اختلاف

بعض اوقات ایک ہی آیت کی تفسیر میں اسباب نزول کی کئی روایات وارد ہوتی ہیں۔ کچھ مفسرین ان میں سے بعض روایات کو قبول کرتے ہیں اور دوسرے مفسرین بعض دوسری روایات کو قبول کرتے ہیں جس کی وجہ سے تفسیر میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ التحریم کی یہ آیت ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ"[50]

"اے پیغمبر! کیوں حرام کئے دیتے ہو اس چیز کو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے؟ کیا اس لئے کہ آپؐ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

اس آیت کے سبب نزول میں کئی روایات مروی ہیں جن کو مجموعی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی، جن سے نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں موجود تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپؐ سے اجازت لے کر اپنے باپ کے گھر چلی گئیں۔ اسی دوران حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا وہاں حضور ﷺ کے پاس آ گئیں اور کچھ دیر آپؐ کے ساتھ ٹھہری رہیں۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو انہوں نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کے ساتھ پایا لیکن آپ اندر داخل نہ ہوئیں اور باہر انتظار کرتی رہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم ﷺ کا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے گھر خلوت میں دیکھنا ناگوار گزرا، جسے آپؐ

---

[49] طبری، تفسیر طبری، ج22، ص14

Ṭabarī, Tafsīr Ṭabar,vol 22,p 14

[50] التحریم، 1:66

Al- Qur'ān,66:1

نے بھی محسوس کیا۔ لہذا آپؐ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کے لئے قسم کھا کر حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تاکید کی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتائے۔[51]

دوسرا قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ دیر ٹھہرتے اور وہاں شہد پیتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو محسوس کیا۔ انہوں نے آپؐ کے وہاں معمول سے زیادہ دیر تک ٹھہرنے سے روکنے کے لئے یہ طریقہ اپنایا کہ ان میں سے جس کے پاس بھی آپؐ تشریف لائیں تو وہ ان سے کہے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے زینب کے گھر سے شہد پیا ہے، اب میں قسم کھاتا ہوں کہ میں شہد نہیں پیوں گا، لیکن تم یہ بات کسی کو نہ بتانا۔[52]

یہاں پر ایک آیت کے سبب نزول میں دو واقعات وارد ہوئے ہیں۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کونسا واقعہ آیت کا سبب نزول ہے؟ جس کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ پہلے قول کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام کیا تھا جبکہ دوسرے قول کے مطابق آپؐ نے اپنے اوپر شہد کو حرام کیا تھا۔ پس اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف کی وجہ سے اس کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔

آٹھویں صورت: قرآنی سیاق / نظم قرآن میں اختلاف

قرآنی سیاق / نظم قرآن کی مدد سے قرآن مجید کو سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔ مفسرین کے درمیان قرآنی سیاق کے مطابق تفسیر کرنے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین سیاق اور نظم سے ایک معنی اخذ کرتے ہیں، تو بعض دوسرے مفسرین دوسرا معنی اخذ کرتے ہیں۔ اسی طرح سے بعض مفسرین سیاق یا نظم کو ترجیح دیتے ہیں، تو بعض مفسرین دوسری ادلہ کو ترجیح دیتے ہیں جس کی وجہ سے تفسیر میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ البقرۃ کی یہ آیت ہے:

---

[51] ابن جوزی، زاد المسیر، ج8، ص302، 303

Ibn Jawzī ,Zād al-Masīr,vol 8,p 302-302

[52] ابن جوزی، زاد المسیر، ج8، ص304، 305

Ibn Jawzī ,Zād al-Masīr,vol 8,p 302-302

"وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ"[53]

"اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت میں **"وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ"** (اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

پہلا قول یہ ہے کہ "اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" سے مراد اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرنا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کے راستے میں جہاد نہ کرنا ہے۔[54]

پہلا قول اس آیت کے قریبی سیاق سے لیا گیا ہے۔ اس سے پہلے اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے جس کے بعد اس آیت میں ہلاکت سے بچنے کا حکم ہے۔ لہذا سیاق یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہاں ہلاکت سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا ہے۔ دوسرا قول بھی سیاق سے لیا گیا ہے، وہ سیاق بعید کے مطابق ہے۔ اس سے پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم دیا ہے، پس اس سیاق کے مطابق ہلاکت کا مطلب اللہ کی راہ میں قتال نہ کرنا ہے۔

اس طرح سے دونوں اقوال قرآنی سیاق یا نظم قرآن کے مطابق ہیں۔ ایک قریبی سیاق کے مطابق جبکہ دوسرا بعید سیاق کے مطابق ہے جس کی وجہ سے مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

نویں صورت: مطلق اور مقید کے احتمال میں اختلاف

مطلق وہ ہے جو کسی ماہیت پر قید کے بغیر دلالت کرتا ہے جبکہ مقید وہ ہے جو کسی ماہیت پر قید کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔ یعنی مقید میں قید پائی جاتی ہے اور مطلق میں کوئی قید نہیں ہوتی۔ عام طور پر مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے لیکن بعض اوقات مفسرین کے درمیان مطلق کی تقیید پر اختلاف ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں جبکہ بعض مفسرین مطلق کو مقید پر محمول نہیں کرتے بلکہ اس کے اطلاق کو باقی رکھتے ہیں جس کی وجہ سے تفسیر میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

---

[53] البقرۃ، 195:2

Al- Qur'ān,2:195

[54] ابن جوزی، زاد المسیر، ج1، ص203

Ibn Jawzī ,Zād al-Masīr,vol 1,p 203

اس کی پہلی مثال کفارات میں غلام آزاد کرنے کی ہے۔ مطلق اور مقید کے احتمال کی وجہ سے اس بات میں اختلاف ہے کہ ظہار اور قسم توڑنے کے کفارے میں مومن غلام آزاد کرنا ضروری ہے یا پھر کافر غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے۔

قتل خطاء کے کفارے میں غلام (رقبۃ) ایمان کی قید کے ساتھ آیا ہے۔

"وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ"[55]

"اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے۔"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قتل خطاء کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مومن غلام آزاد کرے۔ یعنی غلام ایمان والا ہو، کافر نہ ہو۔ لیکن ظہار کے کفارے میں غلام مطلق آیا ہے، اس میں کوئی قید نہیں:

"وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا"[56]

"جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر (اپنی اس بات سے) رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے۔"

اس آیت میں ظہار کے کفارے میں غلام مطلق آیا ہے، ایمان کی کوئی قید نہیں۔ اسی طرح سے قسم توڑنے کے کفارے میں بھی غلام مطلق آیا ہے۔

"لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ"[57]

"تمہاری لغو قسموں پر اللہ تم سے مؤاخذہ نہ کرے گا، لیکن جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو ان پر تم سے مؤاخذہ کرے گا۔ سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلایا کرتے ہو یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔"

---

[55] النساء، 92:4

Al- Qur'ān,4:92

[56] المجادلہ، 3:58

Al- Qur'ān,3:58

[57] المائدۃ، 89:5

Al- Qur'ān,5:89

اس آیت میں بھی غلام مطلق آیا ہے، اس میں ایمان کی کوئی قید نہیں۔

ان دونوں آیات میں غلام مطلق آیا ہے، اس میں ایمان کی کوئی قید نہیں، وہ مومن بھی ہو سکتا ہے اور کافر بھی۔ لیکن قتل خطاء میں غلام ایمان کے ساتھ مقید ہے۔ پس بعض مفسرین نے مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے اور قتل خطاء میں غلام کے ساتھ ایمان والی قید کو ظہار اور قسم کے کفارے میں لگا دیا ہے۔ لہذا ان کے نزدیک ظہار اور قسم کے کفارے میں بھی غلام کا مومن ہونا ضروری ہے۔ کافر غلام کو آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس بعض مفسرین نے مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا اور اسے اس کے اطلاق پر باقی رکھا ہے۔ ان کے نزدیک ظہار اور قسم کے کفارے میں غلام کے ساتھ ایمان کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہذا ان مفسرین کے نزدیک ظہار اور قسم توڑنے کے کفارات میں کافر غلام کو آزاد کرنا بھی جائز ہے۔[58]

دسویں صورت: عموم اور خصوص کے احتمال میں اختلاف

"عام" وہ لفظ ہے جو ایک سے زیادہ چیزوں پر ایک ہی وقت میں دلالت کرتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا"[59]

"چوری کرنے والا اور چوری کرنے والی دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔"

اس آیت میں لفظ **"السَّارِقُ"** (چور) عام ہے، یہ تمام چوروں پر دلالت کرتا ہے۔

جبکہ "خاص" وہ لفظ ہے جو ایک معین چیز پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ آیت ہے۔

"الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ"[60]

"زانیہ عورت اور زانی مرد، سو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔"

---

[58] فہد بن عبد الرحمن الرومی، بحوث فی اصول التفسیر و مناهجه، مکتبۃ التوبہ، طبع چہارم، 1419ھ، ص48، 49

Fahd bin Abdu Rahmān Al Roomī, Bahaws fī Asūl al Tafsīr wa Mināhjah, Maktabah Al Tawba,edition 4th,1419,p 48-49

[59] المائدۃ، 38:5

Al- Qur'ān,5:38

[60] النور، 2:24

Al- Qur'ān,24:2

اس آیت میں لفظ "**مِائَةَ**" (سو) خاص ہے جو صرف "سو" معین عدد پر دلالت کرتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور چیز پر دلالت نہیں کرتا۔

بعض اوقات مفسرین کے درمیان آیات کے عموم اور خصوص کے بارے میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین آیت میں عام کو اس کے عموم کے مطابق محمول کرتے ہیں جبکہ بعض دوسرے مفسرین اس عموم میں خصوص سمجھتے ہیں اور کسی مخصص کے ذریعے اس کی تخصیص کرتے ہیں۔ اس کی مثال سورۃ المائدۃ کی یہ آیت ہے:

"الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ"[61]

"آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں اور جو اہل کتاب ہیں ، ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔"

اس آیت میں "**وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ**" (اہل کتاب کے کھانے) کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ "طعام" (کھانے) سے مراد صرف 'ذبائح' ہیں، اس کے علاوہ جو دوسرے کھانے ہیں مثلاً پھل اور روٹی وغیرہ، وہ اس آیت میں مذکور طعام کے مفہوم میں شامل نہیں ہیں کیونکہ دوسرے کھانے ویسے ہی حلال ہیں، ان میں دین کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مزید اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآنی سیاق وسباق میں اس آیت سے پہلے شکار اور ذبائح کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ آیت ذبائح کے ساتھ خاص ہے لہذا اس کے عموم کی ذبائح کے ساتھ تخصیص ہو گئی ہے۔

اس کے برعکس بعض دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ یہاں پر طعام عام ہے اور ہر قسم کا حلال کھانا اس آیت کے مفہوم میں شامل ہے چاہے ذبیحہ ہو یا غیر ذبیحہ۔ ان کا موقف یہ ہے کہ آیت کے عام کو عموم پر باقی رکھا جائے گا اور اس کی تخصیص نہیں ہو گی کیونکہ تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔[62]

خلاصہ بحث

اس بحث کا خلاصہ چند نکات کی صورت میں درج ذیل ہے:

---

[61] المائدۃ،5:5

Al- Qur'ān,5:5

[62] عبد الالہ حوری، اسباب اختلاف المفسرین فی تفسیر آیات الاحکام، مقالہ ایم-اے، کلیہ دار العلوم جامعۃ القاہرۃ، 2001ء، ص194، 195،

Abdul Āla Hawrī,Asbāb Ekhtlāf al Mufassrīn fī Tafsīr Āyyāt al Aḥkām,Maqāla M.A, Kulyya Dār ūl ūloom Jamia Al Cairo,2001,p 194-195

1. تفسیری اختلافات سے مراد قرآن مجید کی ایک ہی آیت یا لفظ میں، مفسرین کے ایک سے زیادہ اقوال و آراء کا وارد ہونا ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔
2. تفسیری اختلافات کی دو بنیادی اقسام ہیں؛ ایک اختلاف تنوع اور دوسری اختلاف تضاد۔
3. اختلاف تنوع میں ایک آیت کی تفسیر میں کئی اقوال یا آراء پائی جاتی ہیں جن کے درمیان کوئی تضاد یا تعارض نہیں ہوتا، صرف نوعیت کا فرق ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے درمیان تطبیق کا امکان بھی پایا جاتا ہے۔
4. اختلاف تضاد میں ایک آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال وارد ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں ۔اگر ان میں سے ایک قول کو قبول کیا جائے تو دوسرا رد ہو جاتا ہے۔اس لئے اس اختلاف میں تطبیق ممکن نہیں ہوتی۔
5. تفسیر کے زیادہ تر اختلافات، نوعیت کے اختلافات ہیں۔ ان میں تعارض نہیں ہے اس لئے ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ تضاد اور تعارض کے اختلافات بہت کم ہیں جن میں تطبیق کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔
6. تفسیری اختلافات ایک فطری اور مثبت چیز ہے، اس میں کوئی منفی چیز نہیں۔ اس سے ہمیں ایک ہی آیت کی تفسیر میں کئی آراء و اقوال حاصل ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں ایک ہی قرآن سے بہت بڑا سرمایہ علم حاصل ہوتا ہے۔
7. تفسیری اختلافات کی مختلف صورتیں ہیں جن سے تفسیری اختلافات کی حقیقت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔
8. تفسیری اختلافات کی مختلف صورتوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تفسیری اختلاف کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اس اختلاف میں مفسرین کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی منشاء کے مطابق ہے۔ اس لئے تفسیری اختلافات کو بری نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے۔